4758

سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور ۱۷

شہادت حسینؑ کے اسباب

(دوسرا ایڈیشن)

از قلم حقیقت رقم

سرکار سید العلماء الحاج علامہ سید علی نقی النقوی
مجتہد العصر مدظلہ

قیمت ۲ آنے

امامیہ مشن پاکستان

اہور کا تبلیغی رسالہ ہے۔ حاجی الحرمین علامہ علی نقی صاحب قبلہ مجتہد العصر کی جواہر ریز قلم کا جگمگاتا ہوا شاہکار نہایت قلیل عرصہ میں دوسری بار شائع کیا جا رہا ہے۔

حصولِ علم کے صرف دو ذرائع ہیں علم بذریعہ حواس اور علم ذریعہ وحی والہام، شہادت کربلا کے متعلق ہر دو ذرائع کے علم پوری قوت سے متفق ہیں کہ واقعۂ کربلا دنیا کے عظیم ترین واقعات میں سر فہرست ہے۔ جملہ اہل الرائے کا علم الحواس گواہ ہے کہ روزِ وقوعہ سے لیکر آج تک نہ صرف تاریخ اسلام کے ہر ہر گوشہ کو اس نے موثر کیا۔ بلکہ خصائل طبقہ انسانیہ کی آبیاری کا چشمۂ حیات ہے اور علوم الہامی کی جامع مرکزی کتاب قرآن حکیم نے اس واقعہ کو ذبحِ عظیم فرمایا اور ظاہر ہے کہ خدائے علیم و برتر کا کسی واقعہ کو عظیم کہہ دینا اس واقعہ کی عظمت پر ایسی گواہی ہے کہ جس کے بعد اظہارِ عظمت کے لیے انسانی بولیوں کی جملہ لغات کے تمام مرادف الفاظ مل کر بھی گونگے رہیں واقعہ عظیم، نتائج بھی عظیم تو اگر اس کے اسباب عظیم نہ مانے جائیں تو نتیجہ کو بغیر سبب کے مہیا کرنا ہوگا۔ جو بعید از عقل ہے۔

اسباب شہادت کے تجسس کیلئے اس وقت کے ماحول کو علامہ نیاز فتحپوری کی نگارشات تاریخ دولتین کے چند فقرات میں ملاحظہ فرمائیں۔ بنو امیہ کا اصلی مقصود یہ تھا کہ جو سیادت انہیں ایام جاہلیت (زمانہ کفر) میں حاصل تھی وہی پھر حاصل ہو جائے۔ مذہب اسلام نے آخر کار ایک سلطنت و حکومت کی صورت اختیار کر لی لیکن وہ خالص مذہبی سلطنت نہ تھی بلکہ ملک گیری تھی۔ ایک نگاہِ حقیقت بین معلوم کر سکتی ہے کہ بنو امیہ کے اس طرز عمل نے حقیقتاً مذہب اسلام کو کس قدر نقصان پہنچایا اور وہ خالص مذہبی روح جو اسلام کی ترقی کا باعث ہوئی تھی کس درجہ ضعیف و مضمحل ہو گئی (صفحہ ۶۷، ۶۸) تمام مذہب دوست اسلام پسند مسلمانوں کے آقا و مولا حسینؑ نے دینِ اسلام کو کفر کے ظالم خون آشام پنجہ سے چھڑا کر اس کے حسن کو دوبالا کر دیا۔ ورنہ آج

نہ مسجدیں ہوتیں نہ تکبیریں نہ اخلاق نہ خدا پرستی

در گلشنِ مصطفیٰ بہارے کر دی ٭ واللہ کہ حسینؑ کارے کر دی

جنرل سیکرٹری امامیہ مشن پاکستان
لاہور

شہادتِ حسینؑ کے اسباب

آپ کو معلوم ہے کہ حسینؑ حضرت محمدؐ مصطفیٰؐ کے نواسے تھے اور حضرت محمدؐ اس انقلاب کے مرکز تھے جس کا نام ہے "اسلام"

"اسلام" سے پہلے عرب کی معاش اور معاشرتی دنیا جس قدر تاریک تھی۔ اس کا آپ تاریخ میں مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ مساواتِ انسانی کوئی چیز نہ تھی اور غلبۂ طاقت اور اقتدار سب کچھ تھا۔ اس کی ایک ادنیٰ مثال یہ تھی کہ ایک بڑے آدمی کے قتل ہو جانے پر صرف اس کے قاتل کو قتل نہ کیا جاتا تھا بلکہ فریقِ مخالف کے سیکڑوں آدمی مار ڈالے جاتے تھے۔ تب سمجھا جاتا تھا کہ خون کا اس کے بدلا ہوا۔ اس کے برخلاف اگر بڑے آدمی کے ہاتھ سے کوئی چھوٹا آدمی قتل ہو جاتا تھا۔ تو اس کا خون معاف تھا۔

یہ بڑے اور چھوٹے کی تفریق ہزاروں تمدنی گناہوں کی سرچشمہ تھی اور انسانیت کے پرخچے اڑا رہی تھی ان سب کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے مادیت کو اپنا معبود سمجھ لیا تھا۔ ماوراء المادہ کا تخیل باقی نہ رہا تھا۔ اس لئے مادی امتیاز ہی ان کے نزدیک سب کچھ تھا۔

"اسلام" جو ایک عظیم انقلاب کا حامل بن کر آیا تھا۔ اس نے سب سے پہلے اس کا اصلی سبب دور کرتے ہوئے لوگوں کی نگاہ کو مادیت کے احاطہ سے

آگے نکال کر ایک غیبی طاقت کی جانب متوجہ کیا جس کے لحاظ سے تمام افراد انسانی یکساں حیثیت رکھتے تھے۔ اور پھر اس نے سابق کی تمام تفوق اور بلندی کے امتیازات کو مٹا کر دیا۔ امتیاز قائم کیا کہ جو شخص فرائض انسانی کو سب سے زیادہ انجام دیتا ہو۔ وہ سب سے بہتر ہے۔ اِنَّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم

اس اصول کے ماتحت غلبہ طاقت، اقتدار، قوم و قبیلہ کی زیادتی اور تعداد کی اکثریت یہ تمام باتیں کچھ نہ رہیں۔ اس نے کہا کہ ہر انسان دوسرے کے برابر ہے جب تک کہ انسانیت کے اوصاف میں اپنے تئیں اس سے بہتر نہ ثابت کرے۔

اس سے معاشی معاشرتی اور تمدنی حالات میں بڑی تبدیلیاں ہوگئیں اسلام نے اس انقلاب کے پیدا کرنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی بہت سے بلند خاندانوں کے افراد کی شادی کی گئی۔ ان خاندانوں میں جو قدیم زمانہ سے پست سمجھے جاتے تھے ایک بلند مرتبہ شخص کے قاتل کے بدلے یہ امر ناممکن ہوگیا کہ سوائے اس کے کوئی دوسرا شخص قتل کیا جائے۔

بہت سے غیر اقوام اور پردیسی انسانوں کو جو اس کے پہلے جانوروں کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ ان کے انسانی اوصاف کی بدولت وہ عزت حاصل ہوئی جو بڑے بڑے خاندانی عربوں کو نہ تھی۔ اور اکثر مہموں میں عرب قوم کو سرداری قبول کرنا پڑی۔ ان لوگوں کی جنہیں وہ نسلی حیثیت سے اپنے برابر نہ سمجھتے تھے یا غلبہ اور اقتدار کے لحاظ سے جنہیں وہ کمزور خیال کرتے تھے۔

ہر انقلاب کے بالکل متوازی ایک اور انقلاب شروع ہو جاتا ہے جو انقلاب سے پیدا ہونے والے امتیازات کو مٹا دینا چاہتا ہے اور رجعت پسندی یا قدامت

پرستی کے امتیازات کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔

اسلام کو اس حیثیت سے ان تمام قبائل کا مقابلہ کرنا پڑا جو اس کے پہلے اپنے تئیں غلبہ واقتدار کا حقدار سمجھتے تھے۔ خواہ نسلی تفوق کی بنا پر، خواہ مال و دولت کی بنا پر اور خواہ اپنے قوم وقبیلہ کی بنا پر۔

حضرت محمد مصطفےٰ کو اس سلسلہ میں کئی لڑائیاں لڑنا پڑیں۔ جن میں بدر احد اور احزاب بہت مشہور لڑائیاں ہیں۔

ان میں بنی امیہ کا سردار ابوسفیان بہت آگے آگے تھا۔ اور مخالف جماعت کا سرگروہ تھا۔

ان مقابلوں میں اگرچہ کامیابی اسلام کو ہوئی مگر ہر کامیابی مخالف کے دل میں ایک جذبۂ انتقام پیدا کر دیتی تھی۔ اور اس لیے ظاہری قوتوں کے توازن میں اسلام اگرچہ سب سے وزنی طاقت بن گیا۔ مگر اس کے خلاف مخالف کا جذبہ باطنی طور پر سنگین تر ہوگیا یہاں تک کہ ایک وہ وقت آیا۔ جب فریق مخالف کی شکست نے مختتم طور پر ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ اور مخالف جماعت کے لوگ، یہاں تک کہ خود ابوسفیان اور اس کے خاندان والے اسلام لے آئے مگر یاد رکھنا چاہیے کہ دبی ہوئی اور شکست خوردہ قوموں کے کچھ نفسیات ہوتے ہیں۔ اسلام سے شکست خوردہ جماعت یعنی بنو امیہ اور ان کے ہوا خواہ جب اسلام لے آئے تو ان کی نفسیاتی حیثیت یہ تھی۔ کہ وہ برابر موقع کے منتظر تھے کہ کس طرح ہم اسلام کو نقصان پہنچا دیں۔ اور اگر اس کو ختم نہ کر سکیں تو کم از کم اس کے مقصد کو تبدیل کر کے ان امتیازات کو مٹا دیں جو اسلام نے قائم کیے ہیں اور اس کے پردہ ہی

میں بھی، ان امتیازات کو قائم کر دیں۔ جو اسلام کے پہلے عرب میں قائم تھے۔ پیغمبر اسلامؐ کی زندگی میں ان کے اس مقصد کی تکمیل مشکل تھی۔ مگر پیغمبرؐ کے بعد ان کو اپنے مقاصد کی کامیابی کی کافی توقع تھی۔

پیغمبر اسلامؐ کے بعد اسلامی انقلاب کے محافظ پیغمبرؐ کے ورثہ دار۔ ان کے گھرانے والے لوگ تھے جنہیں وہ برابر اپنے کاموں میں شریک رکھتے تھے۔ اور جنہیں انھوں نے اپنے مقاصد سے پورے طور پر مطلع کر دیا تھا۔ اور انکی عملی تربیت اس طرح کر دی تھی کہ وہ اپنے اقوال و افعال سے اُن مقاصد کے ترجمان اور محافظ بن سکیں ان میں اور اس کے متوازی دوسرے انقلاب کے علم برداروں میں کشمکش لازمی تھی اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر دفعہ آزمائش کے وقت آل رسولؐ کے ساتھ ظلم کئے گئے اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔ اس کے وجوہ اقتصادی بھی ہیں اور سیاسی بھی۔ نفسیاتی بھی، اور نسلی بھی۔

آپ کو پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام قدیم امتیازات کو مٹا کر مساوات کا پیغام لے کر آیا تھا۔ اور اس نے امتیاز صرف فرائض انسانی کی بنا پر قرار دیا تھا۔ مال اور دولت کی اس طرح تقسیم کہ جس میں جانبداری اور عدم مساوات پیدا ہو جائے اسلام کے اصول کے خلاف تھی اور اس کے محافظین بھی اس کے قریب نہ جا سکتے تھے۔ اس لیے آل رسولؐ کے لیے یہ نا ممکن تھا کہ وہ خزانہ میں روپیہ جمع کر کے دولت مند بنیں اور خصوصیات سے ان لوگوں کو زر و جواہر سے مالا مال کریں۔ جن سے ان کو اپنے اقتدار کے قوی بنانے میں فائدہ کی امید ہو۔ یہاں تو یہ عالم تھا۔ کہ حضرت علیؑ سے ان کے بھائی عقیل تک برگشتہ ہو گئے

اس بنا پر کہ وہ چاہتے تھے۔ کہ ان کو تمام مسلمانوں سے زیادہ کچھ دیا جائے اور حضرت علیؑ اس کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ پھر جب خالص اپنے بھائی کا یہ عالم تھا۔ تو دوسروں کا کیا ذکر۔ اس کے برخلاف دوسری جماعت کے لوگوں کو اس کی پروانہ تھی۔ وہ اپنے اقتدار کے قائم رکھنے کے لیے خزانہ کا منہ کھول دیتے تھے۔ اور جس کو اپنے مطلب کا سمجھتے تھے اس کو مالا مال کر دیتے تھے۔ اسکے علاوہ اسلام نے ان تمام مقتدر اشخاص اور جماعتوں کے امتیازات کو ختم کر دیا تھا جو اس کے پہلے برسر اقتدار تھیں۔ اور ایک بالکل الگ معیار قائم کیا تھا۔ وہ مقتدر جماعتیں آپس میں کتنی ہی رقیبانہ چشمک رکھتی ہوں۔ لیکن اسلام سے زخم خوردہ سب ہی تھیں اس لئے اسلام کے حقیقی مقصد اور قائم کردہ امتیاز کو مٹانے میں وہ سب ہم آہنگ بن سکتی تھیں۔ اس لیے کہ اس کو مٹانے میں ان میں سے ہر ایک اقتدار کا قیام منحصر تھا۔ پھر یہ بھی ہے۔ کہ سابق کی شکستوں کا ان سب ہی کے دل پر اثر تھا۔ اور سب ہی میں جذبۂ انتقام پایا جاتا ہے۔ اور پھر اتفاق کی بات یہ ہے۔ کہ رسولؐ کے مسلک کے محافظ تمام ایک خاص، خاندان (بنو ہاشم) کے لوگ تھے۔ جن سے اکثر عرب خاندان کو پہلے سے حسد اور عناد تھا۔ اس لیے وہ نسلی تعصبات بھی مخالفت پر آمادہ کرتے تھے اور چونکہ عرب میں قبائلی نظام بڑی قوت کے ساتھ قائم تھا۔ ہر قبیلہ کے سرگروہ اور بڑے افراد ان جذبات کی بنا پر جو ابھی بیان ہوئے جس راستے پر جاتے تھے۔ عوام اور پست افراد اہل قبیلہ ان ہی کی پیروی کرتے تھے کیونکہ عوام کا کوئی نظریہ نہیں ہوتا۔ نہ ان کی کوئی رائے خصوصاً جب کہ جہالت بھی ان میں اس حد تھی کہ جو امامؑ ہی کے

ساتھ مخصوص تھی

بنوامیہ کا اقتدار مسلمانوں میں بحیثیت ایک صوبہ دار حاکم کے شروع ہوا۔ ملک شام میں معاویہ کے بھائی اور پھر معاویہ کا گورنر مقرر کیا جانا اس کا آغاز تھا۔ انہوں نے اپنے دورِ حکومت کی ابتدا ہی سے اپنی سیاسی روش ملوکانہ شان و شوکت کی حامل رکھی۔ مسلمانوں کے اقتدارِ اعلیٰ کی جانب سے اس پر انتباہ ہوا تو ایک چالاک اور شاطر سیاست داں کی طرح یہ کہہ کر تسکین دی گئی کہ چونکہ شام کی سرحد قیصرِ روم کے ملک سے ملی ہوئی ہے۔ اس لیے یہاں اسلام کی عظمت قائم رکھنے کے لیے اس طرح کے جاہ و جبروت کی ضرورت ہے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ اسلامی انقلاب کی جگہ قدامت پرستانہ انقلاب فتح پانے لگا اور اسلام کے مقررہ حدود کی بجائے دوسرے حدود و امتیازات قائم ہو گئے

حضرت علیؑ کی خلافت کا مختصر دور تمام تر اسی اقتدار کے مقابلہ میں صرف ہوا۔ جس میں حضرت علیؑ کو بہت محدود کامیابی حاصل ہو سکی

حضرت علیؑ کی زندگی ختم ہونے کے ساتھ اس اقتدار میں اور اضافہ ہو گیا یہاں تک کہ حضرت امام حسنؑ کو صلح پر مجبور ہونا پڑا۔ اور اس طرح آپ نے مخالف طاقت کے جارحانہ اعمال کو شرائط صلح کے ذریعہ سے محدود بنانے کی کوشش کی مگر حضرت امام حسنؑ کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔ اور شرائط صلح کی خلاف ورزی کی جانے لگی۔ اور سیاسی اقتدار کی جرأت و بیباکی اس حد پر پہنچی کہ حجر بن عدی اور ان کے بہت سے ساتھیوں کو جو بڑے عابد و زاہد متقی اور پارسا تھے۔ تہ تیغ کر دیا گیا۔ اور عمرو بن الحمق الخزاعی کا جو اسلامی نقطۂ نظر سے بڑا درجہ

رکھتے تھے۔ سر قلم کر کے نیزے پر بلند کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ اسلام کا نظریہ روحانیت وللّٰہیت فنا ہونے لگا۔ اور مسلمانوں میں بھی طاقت حق ہے کا عملی طور پر کلمہ پڑھا جانے لگا۔ حق پرستی ختم ہوئی۔ آزادی ضمیر رخصت ہوئی ایمان اور اعتقاد روپیلے اور سنہرے سکوں پر بیچا جانے لگا۔ اور مادی اقتدار کے طاغوت کی پرستش ہونے لگی

یہ حالات پھر بھی برداشت کیے جانے کے قابل تھے۔ اگر معاویہ کی جانب سے اس شرط کی مخالفت نہ ہوتی کہ ان کو اپنے بعد کسی جانشین کے نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔

امام حسنؑ نے بڑی عاقبت اندیشی اور انجام بینی سے یہ شرط قرار دی تھی مگر اموی سیاست اپنے مقاصد کے لحاظ سے نامکمل رہتی اگر اس شرط پر عمل کر لیا جاتا۔ اس لیے معاویہ نے اپنے بعد کے لیے اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد بنانا اور صرف نامزد ہی نہیں کیا۔ بلکہ تمام عالم اسلامی سے بڑی کوشش کے ساتھ یزید کی بیعت حاصل کی گئی۔

یزید کے افعال واعمال اگر وہ نہ بھی ہوتے جو عام طور سے ہر شخص کو معلوم تھے۔ تب بھی اس کو ولیعہد بنانا شرائط صلح نامہ کے خلاف ہونے کی بنا پر ناجائز تھا۔ مگر مسلمانوں میں اقتدار و طاقت سے مرعوبیت اس درجہ بڑھ گئی کہ کسی کو اس پر توجہ نہ ہوئی اور توجہ ہوئی بھی تو اظہار کی جرأت نہ تھی

آل رسولؐ میں اس وقت بزرگ ہستی حضرت امام حسینؑ کی تھی آپ بنوامیہ کے طرز عمل کو مدت سے محسوس کر رہے تھے کہ وہ کسطرح اسلام کے بنیادی تقاضوں

کے خلاف ہے اور کس طرح دنیا کو رجعت پسندی اور قدامت پرستی کی طرف لے جا رہا ہے۔ پھر بھی وہ اس کے متوقع تھے کہ شائید یہ صورت حال معاویہ کی زندگی کے اختتام کے ساتھ ختم ہو جائے۔ مگر یہ اس انقلابی سیاست کی آخری چال تھی کہ شاہان خود مختار کی طرح اپنے بعد کے لیے اپنے بیٹے کو بغیر اس کے اوصاف کا لحاظ کیے ہوئے نامزد بنا دیا۔ آپ نے اس کو شدت سے محسوس کیا اور اندازہ کیا کہ آپ پر کیا فرض عائد ہوتا ہے۔

معاویہ بھی سمجھتے تھے۔ کہ اس معاملہ میں سب سے زیادہ متعلق انسان حسین علیہ السلام ہیں۔ اس لیے انہوں نے آپ کو ملانے کی پوری کوشش کی مگر نتیجہ میں ناکام ہونا پڑا۔ یہ بنی امیہ کے اقتدار کو بڑی کاری ضرب تھی جسے معاویہ کی قوت و فراست سمجھ چکی تھی۔ اسے حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام کا ایک بڑا تدبر سمجھنا چاہیے کہ آپ نے اپنے عمل سکوت اور بے تعلقی تک محدود رکھا۔ آپ جانتے تھے کہ فریق مخالف اس سکوت کو توڑنے میں انتہائی تشدد سے کام لے گا۔ جس کے لئے آپ تیار تھے مگر آپ یہ نہ چاہتے تھے۔ کہ آپ کی طرف کسی جارحانہ اقدام یا بغاوت و شورش کا الزام عائد کیا جا سکے۔

معاویہ بڑے جہاندیدہ انسان تھے۔ وہ حسین علیہ السلام کے اس سکوت کو اپنے اقتدار کی شکست کا مرادف سمجھ کر بے چین تھے لیکن وہ جانتے تھے کہ اگر ہم سختی کریں گے تو وہ اس شکست کی انتہائی تکمیل ہو گی اس لئے حسین علیہ السلام چاہتے تھے کہ میں خاموش رہوں۔ اور حریف تشدد سے کام لے اور معاویہ کا مطلب تھا کہ ہم تشدد سے علیحدہ رہیں اور حسین علیہ السلام کی خاموشی قائم نہ رہے

یاد رکھنا چاہیے کہ کربلا کی جنگ یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ مگر یہ ایک صبر آزما اور روحانی کشمکش تھی جو نہ معلوم کب تک جاری رہتی اگر معاویہ کا رشتہ عمر قطع نہ ہوتا اور نو عمر ناتجربہ کار، غرور سلطنت سے بدمست یزید تخت سلطنت پر نہ بیٹھتا۔

حسینؑ کی بیعت سے علیحدگی اور خاموشی معاویہ کو بھی اتنی ہی شاق تھی جتنی یزید کو مگر معاویہ کو تشدد کے نتیجہ کا اندازہ تھا۔ اور یزید کو نہ تھا۔ یزید نے حسینؑ کی خاموشی کو طاقت واقتدار سے توڑنا چاہا اور بجبر آپ سے بیعت لینے کی خواہش کی۔

ولید بن عقبہ جو مدینہ میں اس کا گورنر تھا۔ اسے وفات معاویہ کی اطلاع کے ساتھ ہی یہ پیغام بھیجا کہ جلد سے جلد حسینؑ ابن علیؑ سے میری بیعت لو اگر بیعت نہ کریں تو ان کا سر قلم کرکے بھیج دو۔ یہ تھا وہ پہلا اقدام تشدد کا جو یزید کی طرف سے اٹھایا گیا۔ اور اگر ولید اس حکم کی پوری تعمیل کرنا چاہتا تو مدینہ ہی کربلا بن جاتا۔ امام کے سامنے اس مطالبہ کا اس طرح پیش ہونا گویا حسینی تدبر کی پہلی فتح اور اموی سیاست کی ابتدائی شکست تھی۔ اس نے سمجھا تھا کہ حسینؑ کی بیعت سے علیحدگی ایک وقتی بات ہے۔ جو اس دھمکی سے فوراً قبول بیعت سے تبدیل ہو جائے گی۔ اور حسینؑ نے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ سوچ سمجھ کر اس کے تمام آخری نتائج کا اندازہ کر لینے کے بعد اختیار کیا تھا وہ دیکھ رہے تھے کہ اسلامی مقاصد حدود و امتیازات میں کس طرح تبدیلی ہو گئی ہے مگر اس پر ابھی تک ظاہری اسلام کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس لئے عام

اشخاص اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ حسین چاہتے تھے کہ فریق مخالف کو تشدد کے آخری درجوں پر پہنچا کر اس کے غیر انسانی جذبات کو اس طرح نمایاں ہونے کا موقع دیں کہ عوام کو اس کا قوی احساس پیدا ہو جائے اور آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹ جائیں۔

امام حسینؑ کے لیے اپنے مقصد کے حصول کا سوائے اس کے کوئی ذریعہ ہی نہ تھا۔ یہ تو ممکن تھا کہ وہ اپنی جان بچا لیتے مگر جان کو بہر حال بچانا ہوتا تو وہ شروع ہی سے بیعت سے انکار نہ کرتے جان کا بچانا انہیں مدنظر تھا اسی حد تک کہ ان کے اصول اور مقصد کا بھی تحفظ ہو لیکن اگر مقصد کا تحفظ جان کے دینے پر موقوف ہو تو پھر ان کے نزدیک جان کا دے دینا آسان امر تھا۔

مقصد کے لئے صرف دو طریقے ہو سکتے ہیں ایک فریق مخالف سے مل کر شرائط صلح کے ذریعہ سے دوسرے جنگ کر کے فتح و غلبہ حاصل کر کے یہ دونوں طریقے امام کے لئے ناممکن تھے۔ صلح کی منزل خود امام حسنؑ طے کر چکے تھے۔ اور شرائط صلح کی مخالفت ہی اب وہ صورت حال تھی جو امام حسینؑ کے سامنے تھی۔ حالانکہ معاویہ اپنے کردار کے ذریعہ سے بہ نسبت یزید کے کہیں اونچا درجہ رکھتا تھا۔ پھر جب معاویہ کے ساتھ مصالحت نتیجہ میں ناکام ہوئی تو یزید کے ساتھ مصالحت کے کیا معنی؟ جب کہ یزید کے افعال وہ تھے۔ جو کھلم کھلا اسلامی اصول و قوانین کے ساتھ جنگ رکھتے تھے بہاں اسلام کے ظاہری رسوم نماز روزہ وغیرہ کا بھی پتہ نہ تھا۔ اور نکاح و ازدواج کے اصول و قوانین کی بھی مراعات نہ تھی اور اسلام کے منہیات مثلاً شراب وغیرہ کا

ظاہر بظاہر ارتکاب تھا اور اس کے ساتھ اسلامی خلافت کا دعویٰ تھا۔ موجودہ حالت میں اگر حسینؑ بھی جو کہ اسلامی تمدن کے محافظ تھے یزید کی بیعت کر لیتے اور مصلحت سے کام لیتے تو یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام کا تمدن و تہذیب اور اصول معاشرت مستقل طور سے یہی بن جاتا کہ جس طرف بنی امیہ کی سیاست لیے جا رہی تھی اور جس کا یزید اپنے وقت میں بہترین نمونہ تھا۔

کہنے والے کہہ سکتے ہیں کہ حسینؑ کے واقعہ شہادت کے بعد بھی تو بہت سے سلاطین انہی افعال کے مرتکب ہوتے رہے جنکا یزید ارتکاب کرتا تھا مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ حسینی مقاومت نے اسلام کے تمدن و اصول کو اتنا نمایاں کر دیا کہ اب اسکے خلاف جو افعال ہوتے تھے وہ بالکل انفرادی اور شخصی جرائم کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا کوئی ذہنی اثر افراد جامعہ پر نہیں پڑتا یہ خطرہ اب ہمیشہ کے لیے دور ہو گیا ہے کہ اسی کو اسلام کا مستقل اصول اور طریق معاشرت سمجھ لیا جائے۔ کیونکہ حسینؑ اور انکے ساتھیوں نے اسلام کے حقیقی اخلاق کا کربلا میں نہ مٹنے والا نمونہ پیش کر دیا۔ اور اس کی آئینی اہمیت کو انتہا درجہ واضح کر دیا۔ اب اگر اسلام کے دامن پر دھبہ لگانے کے لیے سلاطین بنی امیہ و بنی عباس کی مثال پیش کی جلئے تو فوراً اسلام کی جانب سے صفائی پیش کرنے کے لیے حسینؑ کا اقدام تاریخ کے صفحات پر سامنے آجاتا ہے۔

یزید اور امام حسینؑ کے مقاصد بالکل مختلف اور متضاد تھے وہ جاہلیت

کے مادی دور کے پلٹ کا علمبردار حسینؑ روحانیت اور انسانیت کو قائم کرنے کے ذمہ دار، وہ طاقت و اقتدار کا سکہ چلانے کا درپے اور حسینؑ حق و راستی کا علم بلند کرنے پر آمادہ۔ وہ اسلامی حدود و امتیازات کو مٹانے پر تلا ہوا اور حسینؑ اسلامی امتیازات کو باقی رکھنے پر کمربستہ۔

پھر بھلا بتلایئے کہ امام حسینؑ اور یزید میں صلح کیونکر ہو سکتی تھی دوسری صورت یہ تھی کہ آپ طاقت کا مقابلہ طاقت سے کرتے، اور فتح و غلبہ حاصل کر کے یزید کو شکست دیتے۔ مگر آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ طاقت کے مقابلہ میں آلِ رسولؐ کے ساتھی بہت کم نکلتے تھے۔ اس طرح کا تجربہ پورے طور پر حضرت علیؑ اور امام حسینؑ کے وقت میں ہو چکا تھا۔ پھر دنیا کی ذہنیت اتنی ماؤف ہو چکی تھی کہ اگر آپ فوج و لشکر جمع کر کے جنگ بھی کرتے تو جو اس کی واقعی حیثیت تھی اس کے سمجھنے والے بہت کم اور یہ سمجھنے والے زیادہ ہوتے کہ یہ حکومت و سلطنت کی غرض سے دو بادشاہوں کی جنگ ہے اور سیاسی حیثیت سے یزید کا پلہ گراں رہتا۔ اس لیے کہ وہ بادشاہ تسلیم کیا جا چکا تھا۔ اور حسینؑ کا پلہ سبک ہوتا اس بنا پر کہ وہ ایک باغی کی حیثیت رکھتے تھے۔ اگر اس صورت میں آپ کو فتح حاصل بھی ہوتی جو بظاہر ناممکن تھی تو اس کا اثر ایک وقتی انقلاب سلطنت کی صورت سے ہوتا جس کا اثر دیرپا نہیں رہتا۔ اور بنی امیہ پر جو ظاہری اسلام کا پردہ تھا وہ اب بھی اسی طرح پڑا رہتا جیسے اس کے پہلے تھا۔ اور کچھ لوگ حسینؑ کو حق پر سمجھتے بھی ہوتے تو خروج محارب کو خلاف اجتہادی کا سرٹیفکیٹ

دے دیتے جیسا کہ اس کے پہلے صفین کی جنگ میں ہوا۔ اس صورت میں بنی امیہ کے باطنی حالات کا اس درجہ انکشاف کہ جو ان سے ہمدردی کا کوئی گوشہ انسانیت کے دل میں باقی نہ رکھے۔ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا اور جب تک ان سے نفرت انتہائی درجہ پر پیدا نہ ہوتی اس وقت تک ان امتیازات و حدود کی مکمل شکست نہیں ہو سکتی تھی۔ جنہیں بنی امیہ نے عملی طور پر قائم کرنا چاہا تھا۔

معلوم ہوا کہ صلح بھی ناممکن اور جنگ بھی۔ پھر اب تیسرا راستہ کون سا تھا! وہی جسے حسینؑ نے اختیار کیا اور اگر حسینؑ اختیار نہ کرتے تو اس کا تصور بھی ہمارے لیے دشوار ہوتا۔

آپ نے اقتدار کا مقابلہ بے بسی سے، کثرت کا مقابلہ وحدت سے اور ظلم کا مقابلہ مظلومیت کے ساتھ کیا اور یہ وہ طریقۂ جنگ تھا جس کا مشاہدہ اس کے پہلے دنیا نے نہیں کیا تھا۔ آپ کی نظر میں فتح و شکست کا مفہوم بالکل جداگانہ تھا۔ فتح کے معنی یہ نہ تھے کہ آپ دشمن کی فوجوں کو پامال کر کے اس کے ملک پہ قبضہ کر لیں اور شکست کے یہ معنی نہ تھے کہ آپ کے ساتھ والے سب ختم ہو جائیں اور آپ بھی قتل ہو جائیں۔

آپ کے نزدیک فتح کے یہ معنی تھے کہ کہاں تک آپ اپنے اصول کی حمایت میں مصائب کا زیادہ مقابلہ کرتے ہیں اور کہاں تک آپ کا دشمن اپنے مقاصد کے تحفظ میں زیادہ تشدد سے کام لیتا ہے۔ دشمن کے تشدد کا ہر قدم ایک مورچہ تھا۔ جسے حسینؑ فتح کرتے تھے اور اس کا انتہائی تشددانہ

اقدام حسینؑ کی اپنے مقصد کے لحاظ سے ایک مکمل فتح تھی۔

اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے حسینؑ نے اپنے ساتھ بڑا سامان کیا تھا طاقت کا مقابلہ طاقت سے کرنا ہوتا تو فوج ولشکر کی تعداد میں اضافہ کرتے انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ تعداد کو حتی الامکان زیادہ سے زیادہ مختصر بنایا۔ مگر انہوں نے اپنے ساتھ ایسے عابد و زاہد متقی اور پارسا لوگوں کو لیا جنکی نیکی اور پاک دامنی زہد اور تقویٰ کا سارے ملک میں کلمہ پڑھا جاتا تھا۔ انہوں نے ایسے بوڑھے اپنے ساتھ لیے جن کی بھنویں لٹک کر آنکھوں تک آ گئی تھیں اور انہوں نے ایسے جوان اپنے ساتھ لیے جن کے شباب اور حسن وجمال کا نظیر نہ تھا، کچھ ایسے بچے بھی ساتھ لیے جن کے ہاتھوں میں تلوار اٹھانے کی طاقت نہ تھی۔ بلکہ گہوارے میں لیٹے ہوئے شیر خوار بچہ تک کو اپنے ساتھ لیا اور پردہ نشین عورتوں کو جو رسول اللہؐ کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور جن میں رسولؐ کی حقیقی نواسیاں بھی موجود تھیں اپنے ساتھ لیا۔

تم اس ساز و سامان سے سمجھ سکتے ہو کہ حسینؑ کا مقصد کیا تھا، اور وہ کس طرح اپنے مخالف سے جنگ کرنا چاہتے تھے۔ یاد رکھو کہ حسینؑ کے ساتھ یہ وہ مشینگنیں تھیں جن کو حسینؑ بنی امیہ کے قصر استبداد کے تباہ کرنے کا انتہائی طاقتور ذریعہ سمجھتے تھے اور بیشک ان کا خیال صحیح تھا۔ امام حسینؑ کے لیے بہترین اور مفید ترین یہی راستہ تھا اور اس کے علاوہ کوئی طریقہ نہ تھا۔

ناشر:۔ جنرل سیکرٹری امامیہ مشن پاکستان اردو بازار لاہور ۲